خطبۂ صدارت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ریاستی دینی تعلیمی کنونشن علی گڑھ

(مورخہ ۲۶، ۲۷؍اپریل ۱۹۹۸ء)

زیر انتظام:-

انجمن تعلیمات دین علی گڑھ

زیر اہتمام:-

آل انڈیا دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ

کتابت ——— حفیظ الرحمٰن حامد

صفحات ——— ۱۶

تعداد اشاعت ——— تین ہزار

قیمت ——— تین روپئے

سن اشاعت ——— ۱۹۹۸ء

طباعت ——— پاریکھ آفسٹ، ندوۃ العلماء روڈ، لکھنؤ

باہتمام

آل انڈیا دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

حضرات!

میں اپنے خطبہ کا آغاز قرآن شریف کی ایک چونکا دینے والی آیت سے کروں گا
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ	بھلا جس وقت یعقوب علیہ السّلام
اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ	وفات پانے لگے تو تم اس وقت
اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا	موجود تھے، جب انھوں نے اپنے
تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ	بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس
قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ	کی عبادت کروگے؟ تو انھوں نے
وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ	کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ	دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق
اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ	کے معبود کی عبادت کریں گے جو
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝	معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم
(سورۃ البقرہ ـــ ۱۳۳)	بردار ہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ پیغمبروں اور پیغمبر زادوں کا گھرانہ تھا، جس میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے سوا نہ کوئی اور تعلیم تھی نہ عمل، نہ ماحول اور فضا، پھر بھی عقیدہ اور عمل اور توحید خالص کی اہمیت اور فکر اور اپنی نسل کے اس عقیدہ وعمل سے دائمی وابستگی کے خیال سے کہ ؎

عشق است و ہزار بدگمانی

حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کو جمع کرکے دریافت کیا کہ عزیزو! میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ ان فرزندوں اور نبی زادوں نے اس کے جواب میں یقیناً یہ کہا ہوگا کہ ابّا جان، دادا جان، نانا جان! آپ نے ابھی تک ہم کو تعلیم ہی کیا دی؟ اور کس چیز کا پابند بنایا؟ یہی توحید خالص اور عبادت الٰہ واحد، پھر آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں کیوں شک ہے؟ کہ ہم آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی دوسرے راستہ پر پڑ جائیں گے؟ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے زبان حال سے یہی کہا ہوگا کہ فرزندو! میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں گا کہ میرے بعد تم سب خدائے واحد کے پرستار اور دین ابراہیمی کے علمبردار ہوگے۔

حضرات!

آپ سلسلۂ ابراہیمی سے تعلّق رکھتے ہیں، اس خاندان کا شیوہ اور شعار یہ رہا ہے کہ دنیا سے جانے سے پہلے اپنی نسل کے بقائے ایمان اور تعلّق باللہ کا اطمینان اور ضمانت کرلی جائے، اور دنیا سے جانے سے پہلے اولاد سے یہی عہد و پیمان لے لیا جائے کہ دنیا میں جب تک رہنا ہے مسلمان بن کر رہنا ہے، اور جب

جانا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جانا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ	اور یہی وصیت کر گئے ابراہیم اپنے
وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ	بیٹوں کو اور یعقوب، اے بیٹو اللہ
اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ	نے چن کر دیا ہے تم کو دین، پس نہ مرنا
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؀ (سورۃ البقرۃ ۱۳۲)	مگر مسلمان۔

نہ صرف یہ عہد و پیمان ضروری ہے، بلکہ اس کے لیے وسائل کا مہیا کرنا، اس کو ممکن اور آسان بنانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اس کا اطمینان حاصل کرنا بھی ضروری ہے، اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کا امتحان لیا، اور اپنا پڑھایا ہوا سبق سنا۔

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے، اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجودِ زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لیے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو

ڈھالنے کے لیے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظامِ حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لیے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہیئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشوونما کے لیے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسّر ہے یا نہیں، اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھیئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمل زندگی گذارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرزِ زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرزِ فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرزِ زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن و سنّت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لے کر عائلی قانون، نکاح و طلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط و احکام ہیں، اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو،

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انھیں سیکھا اور برتا۔

پورے نصاب تعلیم کی تبدیلی اور ایک نئی تاریخ کی وضع و تدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں، رسم الخط (Script) کی تبدیلی ہی قدیم تہذیبی، علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بیگانہ بنا دینے کے لیے کافی ہے، آرنلڈ ٹوآئن بی (Arnold Toynbee) نے جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی اور مؤرخ ہے، لکھا ہے کہ "اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط SCRIPT بدل دینا کافی ہے" رسم الخط کی تبدیلی سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا، اور اس کی پوری تہذیب اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جائے گی، پھر جس طرف چاہو اس کو لے جاؤ، جو چیز کسی ملّت کو اس کے ماضی سے، اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی، آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے ۶۰-۷۰ سال پہلے لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا ؎

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انھوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصوّر رہا ہوگا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو، اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی الوہیت، ان کے غیر محدود وغیر مشروط اختیارات اور مصر کی دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور ثقافتی و تعلیمی انقلاب سے کسی ملک میں جو عظیم و عمیق انقلاب آسکتا ہے، اور وہ ملک اگر اپنے عقائد، تہذیب و تمدّن، علمی اشتغال و کمال، مساجد و مدارس کی کثرت و شان و شوکت کے لحاظ سے کسی خالص قدیم الاسلام (اسلامی تمدّن اور عربی زبان کے حامل) کی حیثیت سے کسی قدیم اور خالص اسلامی ملک سے کم نہیں تھا، لیکن وہاں زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور دینی تعلیم موقوف کیے جانے کی وجہ سے وہ عقیدہ، عمل، زبان، اور تمدّن و ثقافت کے لحاظ سے بالکل خالص غیر اسلامی ملک بن گیا۔ تو وہ اندلس (اسپین) ہے، جس کے انقلاب حال کے لیے علّامہ اقبالؒ کا یہ مصرعہ کافی ہے ؂

اس کی فضا بے اذاں، اس کی زمیں بے سجود

اسپین میں ایسے روحانی پیشوا، علوم اسلامیہ اور عربی زبان میں کمال رکھنے والے اور علوم اسلامیہ میں ایسی مجتہدانہ تصنیفات، مستند و معیاری کتب حدیث کی شرحیں لکھنے والے پیدا ہوئے، جن کی نظیر ہر عربی اللسان اور پیرو اسلام ملک

میں بھی نہیں مل سکتی [1]

مذہب مالکی جو اندلس کا عمومی اور اکثریتی طبقہ کا فقہی مذہب تھا، اس کی پیروی اس ملک میں ایسی تھی کہ اس دور میں مذہب مالکی کا یہ فتویٰ اور فیصلہ تھا "عمل اهل قرطبة حجة"، (اہل قرطبہ کا عمل بھی ایک شرعی دلیل ہے) اہل علم جانتے ہیں کہ مذہب مالکی کا یہ حکم اور فتویٰ اصلاً مدینہ طیبہ کے لیے تھا، اور اس کا یہ درجہ تھا کہ فقہ مالکی کا یہ فیصلہ ہے کہ "عمل اهل المدينة حجة"، (اہل مدینہ کا عمل ایک شرعی دلیل اور معیار ہے) صدیوں سے یہ سرزمین اور پورا ملک جو دین کا نہ صرف پیرو بلکہ علمبردار، علوم اسلامیہ کا نہ صرف حامل بلکہ اس میں مجتہدانہ درجہ رکھنے والا تھا، اور جس کی سرکاری اور عوامی زبان عربی تھی، اس کی فضا یکسر بے اذان ہے اور اس کی مساجد تک (جن کی نظیر بڑے سے بڑے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی) رکوع و سجود سے محروم ہیں۔

حضرات! اب اس داستان کو جس میں شکوہ و شکایت کا حصہ زیادہ ہے، مختصر کرتے ہوئے کہوں گا کہ ایک آزاد جمہوری حکومت کا جس کی بنیاد خالص حب الوطنی، رضا کارانہ جذبۂ خدمت، اور اس مشترک جنگ آزادی پر پڑی ہو، جس میں ملک کے تمام شہری، اور اکثریت و اقلیت کے افراد دوش بدوش

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علامہ کُرد علی کی کتاب عربی میں "غابر الاندلس وحاضرها" اردو میں "عبرت نامۂ اندلس" جلد اول و دوم مصنفہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی ناظم دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی مطبوعہ بستان ادب لاہور۔ پاکستان نیز اخبار الاندلس از مولوی خلیل الرحمن صاحب۔

شریک رہے ہوں، سب سے عظیم و مقدس فرض یہ ہے کہ اس کی آبادی کے تمام عنصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس اور مکمل اطمینان ہو، کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خامی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہو سکتی، کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو، اور واضح رہے کہ ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے میں جب تحفظ کا لفظ بولتا ہوں، تو اس سے مراد جسمانی و معنوی، نسلی و اعتقادی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے، کہ محض جسمانی تحفظ، جسم و جان کی سلامتی، اور قتل و غارت گری سے حفاظت پر کوئی باشعور، باضمیر، صاحب عقیدہ، اور صاحب تہذیب جماعت قانع اور مطمئن نہیں ہو سکتی، ایسا تحفظ تو جنگل کے بعض جانوروں اور پرندوں کے لیے بھی کیا جاتا ہے، اور وقتاً فوقتاً ان کی نسل و نوع کی حفاظت کے لیے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں، مجھے معاف کیا جائے، مسلمانوں کا معیار اس بارے میں اور زیادہ بلند، اور ان کی حس اس سلسلہ میں اور زیادہ تیز ہے، اس کا تعلق ان کے مذہبی معتقدات، ان کے اصولِ زندگی، اور ان کے اس فہم و فکر اور نقطۂ نظر سے ہے، جو دین و دنیا، فوز و فلاح، فرد و جماعت کی کامیابی و سعادت کے بارے میں وہ رکھتے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف اس ملک کے مسلمان آئینی جدوجہد کے تمام طریقوں سے کام لے کر، اور اجتماعی عزم و فیصلہ کی پوری طاقت سے اس ملک میں اپنے لیے حقیقی اور کامل تحفظ کی فضا پیدا کریں جس کے بغیر (مجھے کہنے کی اجازت دی جائے) وطن وطن نہیں غربت و مسافرت ہے، آزادی آزادی نہیں غلامی ہے، اور گھر چمن نہیں، قید خانہ اور قفس ہے، اس سلسلہ میں ایثار و قربانی اور

خطر پسندی کی بھی ضرورت ہے، کہ حکومت کی امداد سے جو ان مطالبات اور تغیرات کے ساتھ مشروط ہے پورے استغناء اور توکل اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ معذرت کر دی جائے اور اس کو قبول نہ کیا جائے۔

دوسری طرف حکومت کو بھی اپنے رویہ اور اس رجحان پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو نجی تعلیمی اداروں کو ختم کرنے، اور مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ان کی آزادی اور بنیادی شہری حقوق سے محروم کرنے کی شکل میں جو دستور ہند نے ان کو دیئے ہیں، نمایاں ہو رہا ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے دستور ہند میں تبدیلیوں کا خطرناک قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے، اور اس طرح اقلیتوں کے لئے وہ آخری پناہ گاہ بھی ختم ہو رہی ہے، جو کسی دستوری اور جمہوری ملک میں پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ ملک کے آزاد و اقلیتی اداروں بلکہ مذہبی تعلیم گاہوں کو بھی سرکاری تعلیمی پالیسی اور اکثریت کے اعتقادات و روایات اور مذہبی نشانات کا پابند بنانے کے عزائم و اعلانات کا اظہار ہو چکا ہے، سرکاری اداروں، کالجوں اور اسکولوں میں ہندو دیومالا (Hindu Mythology) پر مبنی کتابیں بھی نصاب میں داخل کی جا رہی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تعلیم گاہوں میں جن میں مسلمان بچے بڑی تعداد میں تعلیم پاتے ہیں وندے ماترم کا گیت پڑھنا ضروری قرار دیا جا رہا ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر بلکہ عقائد کے لحاظ سے واضح اور طاقتور مشرکانہ گیت ہے، سامعین کی معلومات کے لیے اس کا ترجمہ اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔

"تو ہی میرا علم ہے، تو ہی میرا دھرم ہے، تو ہی میرا باطن ہے تو ہی میرا مقصد، تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے، تو ہی بازوؤں کی قوت،

دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی ہے،
ایک ایک مندر میں، تو ہی دُرگا دس مسلح ہاتھوں والی، تو ہی کملا ہے،
کمل کے پھول کی بہار، تو ہی پانی ہے، علم سے بہرہ ور کرنے والی،
میں تیرا غلام ہوں، غلام کا غلام ہوں، غلام کے غلام کا غلام ہوں،
اچھے پانی، اچھے پھلوں والی، مری ماں، میں تیرا بندہ ہوں، میں
بھارت ماتا کی وندنا کرتا ہوں۔"

پھر ہندوستان کی تصویر کے سامنے سر جھکانے اور پھول چڑھانے کا ضابطہ بھی نافذ کیا جا رہا ہے، یہ ملک کو ایسی خطرناک منزل کی طرف لے جانے کا اقدام ہے جس کے تصوّر سے ایک محب وطن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے، انھیں خطرات کی نشان دہی، انھیں حقائق کو واضح اور دل نشین کرنے اور انھیں مقاصد کے حصول کے لیے آخری جد و جہد کرنے کی خاطر یہ دینی تعلیمی کونسل وجود میں آئی، اس خطرہ کا واضح طور پر احساس سب سے پہلے قاضی محمد عدیل عباسی صاحب (علیگ) کو ہوا جو ایک ممتاز نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمان تھے، یوپی اسمبلی کے ممبر بھی رہے اور ڈسٹرکٹ بورڈ بستی کے اہم رکن وعہدیدار بھی، ڈسٹرکٹ بورڈ کے اندر رہتے ہوئے اور خاص طور پر ایجوکیشن کمیٹی کے عرصہ تک چیرمین رہنے کی وجہ سے، اور پھر اپنی وسیع واقفیت، حقیقت پسندانہ ذہن اور اسلامی ضمیر و احساس کی وجہ سے انھوں نے اس خطرہ کو نہ صرف یہ کہ جلد ہی بھانپ لیا بلکہ یہ ان کے ذہن و اعصاب پر ایسا مستولی ہو گیا کہ انھوں نے اپنی پوری توانائی اور اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اس پر مرکوز کر دیں، وہ عرصہ تک اپنے ضلع

کے محدود ہی میں خطرہ کا مقابلہ اور مکاتیب و مدارس قائم کرنے کا کام خاموشی سے کرتے رہے، ان کو ایک ایسا چٹکلا ہاتھ آگیا جس سے وہ عام چندہ سے بڑی حد تک مستغنی ہو گئے، یہ چٹکلا چٹکی فنڈ تھا، انھوں نے یہ تحریک چلائی کہ ہر گھر میں کھانا پکاتے وقت ایک مٹھی آٹا ایک ہانڈی میں جو اس کے لیے مخصوص کردی جائے، ڈال دیا جایا کرے اسی کو فروخت کر کے مقامی مکتب میں خرچ چلایا جائے، وہ اسی دائرہ کے اندر عرصہ تک محدود ہو کر کام کرنا چاہیے تھے، لیکن جب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مرحوم، راقم سطور اور بعض دوسرے دوستوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ آیا تو ہم نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اپنے اس دائرہ سے باہر قدم نکالیں، اور اس کو کم سے کم صوبائی پیمانہ پر انجام دینے کی کوشش کریں۔

ہماری گفتگوؤں کے بعد وہ اس پر آمادہ ہو گئے اور انھوں نے ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء کی تاریخوں میں بستی میں ایک صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس بلائی جس میں انھوں نے صرف صوبہ ہی نہیں بلکہ صوبہ کے باہر سے بھی ممتاز مسلمان دانشوروں تعلیمی مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والوں، قومی، ملی کارکنوں اور تنظیموں کے سربراہوں کو بلایا، اس کے بعد مختلف و متعدد اہم مقامات میں اس کے سالانہ اجلاس (کانفرنسیں) ہوتے رہے جس میں اب علی گڑھ کا یہ شہرۂ آفاق تعلیمی و ثقافتی شہر شامل ہے، جس نے ایک تاریخ ساز رول ادا کیا ہے[1]

---

[1] قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کو ایک سرگرم رفیق و معاون ظفر احمد صدیقی صاحب علیگ ایڈوکیٹ سیتاپور کی شکل میں مل گیا جنھوں نے اپنا کامیاب پیشہ وکالت ترک کر کے

حضرات! جو قوم خود فیصلہ نہیں کر سکتی، دنیا کی ساری تدبیریں، حکمت و سائنس بلکہ طاقتور سلطنتیں بھی اس قوم کی مدد نہیں کر سکتیں، جن قوموں نے اپنے ضمیر کے ساتھ اپنے عقیدے، اور اپنے ایمان کے ساتھ، ان اصولوں کے ساتھ جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھے، باقی رہنے کا فیصلہ نہیں کیا، ان کا نام حرف غلط کی طرح لوح جہاں سے مٹا دیا گیا، دنیا جس کو تاریخ کہتی ہے یہ سلطنتوں کی تاریخ نہیں ہے، تہذیبوں کی تاریخ نہیں ہے، علم و دانش کے ترقی و فروغ کی تاریخ نہیں ہے، ذہانتوں کی تاریخ نہیں ہے، ایک جملہ میں یہ انسانی فیصلوں کی تاریخ ہے، فیصلوں نے سلطنتیں قائم کی ہیں، اور مٹادی ہیں، فیصلوں نے تہذیبیں پیدا کی ہیں اور تہذیبوں کا گلا گھونٹ دیا ہے، فیصلوں نے قوم کو دنیا کے ایک سرے سے اٹھا کر دنیا کے دوسرے سرے پر پہنچا دیا ہے، اور عزم و فیصلہ

اور سیتاپور سے لکھنؤ منتقل ہو کر اپنی پوری زندگی اور توانائیاں مسلمانوں کی دینی تعلیم کے مسئلہ اور دینی تعلیمی کونسل کے لیے وقف کر دیں، اور ایک سپاہی و رضاکار کے انداز میں سب کشتیاں جلا کر ایسے مسئلہ کے آستانے پر آکر پڑ گئے جو ان کے نزدیک مسلمانوں کی موت و حیات کا مسئلہ تھا، اس دینی تعلیم کے مسئلہ کے علاوہ وہ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے غالباً سب سے بڑے وکیل و ترجمان اور اس کے لیے سینہ سپر تھے، ۴ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اس مخلصانہ اور رضاکارانہ خدمت کے سلسلہ میں مولانا محمود الحسن عثمانی صاحب کا نام لینا بھی مناسب بلکہ ضروری ہے جنھوں نے اپنی زندگی کے آخری سال دینی تعلیمی کونسل کی خدمت و تبلیغ اور اس کی تنظیم و اشاعت میں گذارے اور اسی مشغولیت میں انھوں نے ۵ر نومبر ۱۹۸۶ء کو وفات پائی۔

کی غیر موجودگی نے جیتی جاگتی دوڑتی، بھاگتی، زندہ اور توانا قوم کو بے جان مجسموں کی طرح باقی رکھا اور مُردوں کی طرح دفن کر دیا۔

نشاں یہی ہے زندہ قوموں کا — کہ صبح و شام بدلتی ہیں انکی تقدیریں
کمال صدق و مروت ہے زندگی انکی — معاف کرتی ہے فطرت بھی انکی تقصیریں
خودی کے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال — کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں